© rasailojaraid.com

ذاتُ وصفاتِ الٰہی

حافظ عباد اللہ فاروقی

حضرت شاہ ولی اللہ کا موقف ذات وصفاتِ خداوندی سے متعلق واضح الفاظ میں یہ ہے کہ صفاتِ الٰہیہ ازل ہی سے ذاتِ بحت میں بالقوۃ موجود تھیں۔ تخلیق آدم سے پہلے ان صفات کا مرتبہ ہویت میں خوابیدگی کے عالم میں تھا۔ چنانچہ اس وقت ان کا علم بالفعل نہ تھا بلکہ بالذات تھا،

اس سلسلہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :" ذات حق خود اس امر کی متقاضی تھی کہ وہ استعدادیں جو اس کے اندر مضمر ہیں، ان کا ظہور عمل میں آئے۔ چنانچہ سب سے پہلے ذات حق کا مرتبۂ وجود ہے اس مرتبے میں ذات حق کی ان استعدادوں کا عقلی ظہور ہوا۔ اس ظہور سے وہاں اشیائے ممکنات کے اعیان، اور ذات بحت کے ظہور کی ہر صورت اور اس کی تنزلی کے ہر مظہر کے شیون متمثل ہوئے۔ مرتبۂ وجوب میں ذات کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ ان ظہورات کو عدم مادہ اور خارج سے منصفت کرے۔ چنانچہ اس ضمن میں اس نے جو کچھ کہ اعیان اور پہنائیوں میں مضمر تھا۔ اسے ظاہر کر دیا۔"

اس طرح جب اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے ارادہ سے ظہور کی طرف مائل ہوئیں تو یہ کائنات وجود میں آئی۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجوداتِ عالم اللہ کے اسماء وصفات کا آئینہ ہیں۔ ہر شئے اللہ کے کسی نہ کسی اسم وصفت کا ظہور ہے۔ مگر انسان خلیفۃ اللہ ہونے کے اعتبار سے مظہرِ جامع واقع ہوا ہے۔ صفات کا انکار ذات کے انکار پر منتہی ہوتا ہے اس انکار کے بعد ذات کا اقرار بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ ذات بغیر صفات کے کوئی [illegible] تصور پیش نہیں کرتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں مختلف نظریات

لفظ اللہ میں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسمائے حسنہ سب شامل ہیں۔ مرتبہ ذات الٰہی وراء الوراء اور غیب الغیب ہے۔ انسان ذات بحت کو سمجھنے کا ادعا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس جیسی کوئی شے نہیں (لیس کمثلہ شیء) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما عرفناك حق معرفتك (ہم جیسا حق ہے ویسا تجھے نہیں پہچان سکے) غرض اللہ تعالےٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ وہ معبود حقیقی ہے جملہ صفات ازلی اور ابدی ہیں۔ جس طرح اس کی ذات قدیم ہے، اسی طرح اس کی جملہ صفات بھی قدیم ہیں۔ اس کے برعکس انسان چونکہ مخلوق اور حادث ہے اس لئے اس کی صفات بھی حادث ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات مخلوق کی صفات سے مخالف اور مغائر ہیں سید اسد الرحمٰن قدسی "معارف وطریقت" میں لکھتے ہیں "قرآن اور حدیث میں لفظ وجود کا اطلاق جناب باری تعالےٰ پر نہیں ہے۔ اور یہ لفظ اسمائے الٰہی سے بھی نہیں ہے۔ اس لئے وجود سے مراد نور ہے کیونکہ وجود اور نور کی تعریف ایک ہی ہے۔ یعنی ظاہر بنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ۔ جس طرح وجود کا مقابل عدم ہے اس طرح نور کا مقابل ظلمت ہے۔ واللہ یخرجکم من الظلمٰت الی النور۔ اللہ تعالےٰ تم کو عدم سے وجود کی طرف خارج کرتا ہے۔ اس اعتبار سے نور یا وجود صفت اوّل ہے نور حق اصطلاحاً وجود مطلق سے عبارت ہے جو تمام اشیاء کو محیط ہے اور تمام کائنات کی ہستی اسی کی وجہ سے ہے۔"

اگرچہ اللہ تعالےٰ کی جملہ صفات مخلوق کی صفات سے مخالف اور مغائر ہیں۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض صفات الٰہی بندوں کی صفتوں سے بہ لحاظ الفاظ مشابہ ہیں۔ ان کو صفات متشابہات کہتے ہیں۔ ان کی حقیقت اور کنہہ ادراک انسانی سے بالاتر ہے۔ چونکہ ان کا ذکر قرآن اور حدیث میں بکثرت موجود ہے۔ اس لئے ہم ان کو بلا کیف وتشبیہ مانتے ہیں فرقہ معتزلہ ان صفات متشابہات کی حقیقت اور کنہہ کو معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ بالآخر راہ مستقیم سے منحرف ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان صفات کو بلا کیف وتشبیہ وتمثیل ماننے کے بغیر چارہ ہی نہیں ان کی مثالیں حسب ذیل ہیں:-

اللہ کا ہاتھ پاؤں آنکھ۔ نفس (ذات) نزول۔ خوشی۔ غضب۔ رحم۔ صبر۔ محبت۔ غیرت رضا وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ اللہ کا ہاتھ آنکھ اور نفس ایسی صفتیں ہیں۔ جو انسانی صفات سے مختلف النوع ہیں۔ نیز انسان کی جملہ صفات فانی اور ساقط ہو سکتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالے کی صفات ازلی اور ابدی ہیں۔ ان میں نہ کبھی تعطل اور رکود پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق اور رازق ہے تو ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ ازل سے یہ صفات لئے ہوئے ہے۔ وہ تخلیق کائنات سے پہلے بھی رازق تھا۔ اور اس کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی طرح وہ متکلم۔ عالم اور فاعل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن صفات سے پاک اور منزہ ہے وہ سلبی صفات کہلاتی ہیں۔ مثلاً نیند، موت جوہر وغیرہ اس کے علاوہ جو صفات اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں، وہ ثبوتی کہلاتی ہیں مثلاً اس کا خالق ہونا۔ سمیع ہونا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق صوفیا علماء اور حکماء نے الگ الگ بحثیں کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کے نظریات اسلامی افکار وتعلیمات میں کچھ گھل مل گئے، کہ ان کو الگ الگ کرنا دشوار ہو گیا ہے علمائے ظاہری کے نزدیک صفاتِ حق کی تحقیق یوں ہے:- اشاعرہ سات صفات کے قائل ہیں اور ماتریدی آٹھ صفات کے۔ اشاعرہ کے نزدیک حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام وغیرہ صفات الہیہ میں شامل ہیں۔ لیکن ماتریدی تکوین (پیدا کرنا) کو بھی ان میں شامل کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ تکوین قدرت سے جداگانہ ایک مستقل صفت ہے ماتریدی دوسری صفات اضافیہ جیسے احیاء، امانت تزریق وغیرہ کو تکوین کی جانب راجع سمجھتے ہیں۔ لیکن اشاعرہ صفت اضافیہ کو صفت قدرت سے متعلق تصور کرتے ہیں اس طرح اشاعرہ اور ماتریدی مدرسہ ہائے فکر کے علمائے مذکور سات یا آٹھ صفات حقیقیہ کے سوا جنہیں یہ امہات صفات کہتے ہیں، تکثیر صفات کے قائل ہیں۔ صوفیہ صفات حقیقیہ کی نفی کرتے ہیں اور ایک ذات کے قائل ہیں۔ لیکن چونکہ تحقیق عالم کے لئے صفات کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ اس لئے مجبوراً علم کے ضمن میں ثبوت صفاتِ اعتباری کے قائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آتے ہیں اس کے علاوہ وہ ذات احدیت کے تنزلاتِ خمسہ یعنی مرتبہ (۱) وحدت (۲) احدیت (۳) ارواح (۴) مثال (۵) اور شہادت کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر میر ولی الدین نے اپنی تصنیف قرآن اور تصوف کے صفحہ ۱۰۷ پر تنزلات خمسہ کی توضیح یوں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نزول کے مراتب بے شمار ہیں۔ لیکن کلی اعتبار سے ان کا چھ میں حصر کیا جا سکتا ہے۔ ان کو صوفیہ تنزلات ستہ کہتے ہیں۔ ان میں سے پہلے تین کو مراتبِ الہیہ کہا جاتا ہے۔ جو یہ ہیں (۱) احدیت (۲) وحدیت (۳) وحدانیت۔ باقی تین مراتب کونیہ کہلاتے ہیں جو یہ ہیں (۱) روح (۲) مثال (۳) جسم۔ ان سب کے بعد انسان کا مرتبہ ہے، جو مرتبہ جامعہ ہے چونکہ احدیت مرتبہ ذات بحت ہے لہٰذا وحدیت یا تنزلِ اول سے مرتبہ انسان تک چھ تنزل ہوئے۔

(۳) حکماء ذات باری کو معرا از صفات مانتے ہیں اور اس کی ذات کے لئے انہوں نے ایک فعل ایجابی ثابت کیا ہے جسے عقل اول کہتے ہیں۔ عقل اول کو فلک اول و عقل دوم کا خالق قرار دیا گیا ہے اور عقل دوم سے فلک دوم اور عقل سوم اس طرح عقل وہم کی پیدائش کا اثبات کرتے ہیں۔ اور حادث کائنات کو (جسے وہ قدیم تصور کرتے ہیں) اور اس کے جملہ کاروبار کو عقل اول کے تحت خیال کرتے ہیں۔ اور مخلوقات کو مذکورہ مراتب سے پیدا شدہ سمجھتے ہیں۔

غرض علمائے ظاہری ذات باری کے مراتب صفات کو ذات سے زائد سمجھتے ہیں اس طرح وہ مرتبۂ ذات میں نسبت وجوب اور مرتبۂ صفات میں نسبت امکان ثابت کرتے ہیں۔ ان کے برعکس صوفیا کے یاں ایک حد تک سہی ذات اور صفات کی عینیت کا تصور ملتا ہے نظریہ وحدۃ الوجود کی رو سے وجود صرف ایک ہے اور وہ ذات خداوندی۔ کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی صفات کے مختلف مظاہر اور شیون ہیں۔ وہ ذات ہر وقت اپنی شانوں کا طرح طرح سے اظہار کرنے میں سرگرم عمل رہتی ہیں آیہ کریمہ کل یوم ھو فی الشان اس طرف اشارہ کر رہی ہے۔

اس نظریہ کے مطابق بعض قائلین کے نزدیک ذات خداوندی اور کائنات ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اور ان میں دوئی کا کوئی شائبہ نہیں۔ ذات خداوندی کی حقیقت ایک بحر ناپیدا کنار کی سی ہے اور اشیائے کائنات اس کی سطح پر بلبلے ہیں جو ابھرتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ دریا اپنی ذات میں حقیقی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور قائم بالذات ہے اور بلبلے محض عوارض ہیں۔ ان کا وجود دریا کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے برعکس نظریۂ وحدۃ الشہود کے بموجب ذات خداوندی اور اشیائے کائنات ایک دوسرے کے عین نہیں بالفاظ دیگر اشیائے کائنات خدا کی ذات یا صفات کے مظاہر نہیں۔ بلکہ موجودہ بالذات ہیں خدا نے عدم محض سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے خدا اور جملہ اشیا میں خالق اور مخلوق کا تعلق ہے لیکن وجودی حضرات کے نظریہ کے مطابق یہ جہان کثیف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کا عین اور جزو بن کر رہ گیا ہے ڈاکٹر میر ولی الدین اس نظریہ کے خلاف فرماتے ہیں۔

جب تک غیریت ہے، شریعت ہے، جب غیریت مرتفع ہو کر عینیت ثابت ہو گی۔ اور حق ہی حق رہا تو حق کے لئے شریعت کی پابندی کیسی؟ (قرآن اور تصوف)

قرآن اور حدیث کی رو سے تمام صفات الٰہی خواہ ذاتی ہوں خواہ اضافی، فعلی ہوں یا نسبتی، قدیم اور غیر حادث ہیں۔ نیز صفات الٰہیہ کی تعداد بیان کر کے انہیں محصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ صفات الٰہی اسمار باری تعالیٰ کی طرح غیر محدود و ناقابل شمار ہیں۔

صِفاتِ ازلی اور صِفاتِ فعلی میں فرق

اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی یا ازلی ہیں اور صفات فعلیہ میں جو فرق بتایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ صفات فعلیہ کا ظہور تکوین عالم کے بعد ہوا۔ لیکن اس کی ذاتی صفات ازل سے ظہور میں آ چکی ہیں۔ ذاتی صفاتِ الٰہیہ مندرجہ ذیل ہیں۔

علم۔ قدرت۔ حیات۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ ارادہ اور تکوین اور صفات فعلی یہ ہیں۔ ابداع، تخلیق، ترزیق، انشار، احیار، امانت، ربوبیت، رحمانیت،

ابداع کے معنی حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بیان کئے ہیں:۔ ابداع نام ہے ایک چیز کو بغیر کسی چیز کے پیدا کرنے کا۔ یعنی پہلے کوئی چیز نہ ہو۔ ایسی حالت میں کوئی چیز پیدا کرنا ابداع ہے۔ بالفاظ دیگر عدم سے بغیر کسی مادے کے کسی شئے کو وجود میں لانے کا نام ابداع ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخلیق برعکس نام ہے ایک چیز سے دوسری چیز کے پیدا کرنے کا۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے آدم کو مٹی سے بنایا اور جنّات کو آگ کے شعلوں سے خلق کیا۔ ابداع اور خلق اللہ تعالےٰ کی فعلی صفات ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ذاتی صفات نہیں کیونکہ ذاتی صفات وہ ہیں، جو ازل سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ظہور پذیر رہی ہیں تخلیق کائنات سے پہلے اگر فعلی صفات ہم تسلیم کریں، تو لا محالہ ہمیں قدامت مادہ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ یعنی اس سے قدامت مادہ کا تصوّر لازم آئے گا اور دوئی کا خیال بمنزلہ شرک ہے روح ہو یا مادہ کسی کو جداگانہ قدامت نہیں ہے کوئی چیز بغیر واجب الوجود قائم نہیں ہو سکتی لیکن اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ صفاتِ فعلیہ اس ذاتِ قدیم میں بالقوۃ موجود تھیں لیکن ان کا ظہور تکوین عالم کے بعد ہوا۔ تو اس صورت میں ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالےٰ کی صفات فعلی ایک عرصہ تک اس کی ذات میں بالقوۃ موجود رہیں، لیکن تکوین عالم کے بعد ہی وہ فعل کے سانچے میں ڈھلیں۔ اس سے جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ ذات حق ابتدا میں فعّال Active نہ تھی بلکہ انفعالی کیفیت سے دوچار تھی۔

ب۔ اس کی صفات اس تعطل اور رکود کی وجہ سے کمال تک نہیں پہنچی تھیں کیونکہ کمال فعل و اثر آفرینی کا مقتضی ہے۔

اس طرح صفاتِ خلق و ابداع کو نہ تو ازل سے سرگرم عمل تسلیم کرنے سے مطلب حل ہوتا ہے اور نہ ان میں رکود اور ٹھہراؤ کے نظریئے کو تسلیم کرنے سے الجھن دور ہوتی ہے۔ بصورت اوّل قدامت عالم کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ میں رکود اور تعطل لازم آتا ہے جو کمال کے منافی ہے اس طرح ابتدائے آفرینش کا مسئلہ بھی الجھ کر رہ جاتا ہے؎

ساقیا جام منم دہ کہ نگارندۂ غیب
نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آنکہ بر نقش زد ایں دائرۂ مینائی
کس نہ دانست کہ در گردش پرکار چہ کرد

(حافظ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام ابن تیمیہؒ کا موقف

امام ابن تیمیہؒ نے "منہاج السنۃ" میں ان اشکالات کے جواب میں جو حل پیش کیا ہے اس کی وضاحت مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنے مضمون بہ عنوان "امام ابن تیمیہؒ کا تصور صفات" میں یوں کی ہے فرماتے ہیں :۔ "ان اشکالات کے جواب میں علامہ ابن تیمیہؒ نے "تسلسل بالآثار" کا نظریہ پیش کیا ہے جس کا یہ معنی ہے کہ مادہ اگرچہ فی نفسہ حادث ہے اور یہ عالم بھی بہ حیثیت مجموعی قدیم نہیں تاہم اللہ تعالےٰ کی صفات ابداع و تخلیق نے ہر لمحہ کچھ نہ کچھ پیدا ضرور کیا ہے۔ اور ازل سے تا ابد ان کا یہ عمل بغیر کسی خلل اور انقطاع کے جاری رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس متحرک اور رواں دواں عالم کی ہر کڑی حادث اور فانی ہے اور اللہ تعالےٰ کی تخلیقی قدرتوں کا کرشمہ ہے۔" (ماہنامہ ثقافت مئی ۱۹۶۱ء)

خلق اور ابداع کے معانی پر غور کرنے سے یہ مسئلہ یوں حل ہو سکتا ہے کہ ابداع کے معنی بغیر نمونہ کے پیدا کرنے کے یعنی بغیر مادے کے، لیکن خلق متقاضی ہے کسی شئے یعنی مادے سے پیدا کرنے کے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ جنات کو آگ سے، ملائکہ نوری مخلوق کہلائی اس طرح عالم مادی کے حدوث سے پہلے اللہ تعالیٰ کی فعلی صفات ساقط نہ تھیں بلکہ وہ کسی اور صورت میں موجود تھیں۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ مادہ قدیم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات ابداع و خلق قدیم اور ازلی ہیں اور ان کے قدیم اور ازلی ہونے کی وہ یہ کیفیت بتلاتے ہیں۔ کہ روز ازل سے ہر شئے اللہ تعالیٰ کے ارادے کی جنبش سے پیدا ہو رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے تخلیقی فعل میں مادہ کی ضرورت یا حاجت نہیں پڑتی۔ بلکہ مادہ اشیاء کی پیدائش کے ساتھ حادث اور بعد میں فنا ہو جاتا ہے۔ گویا مادے کا مستقل کوئی وجود نہیں۔ اس طرح اللہ تعالےٰ اپنی فعلی صفات کا ازل ہی سے مظاہرہ کر رہا ہے۔

غرض امام ابن تیمیہؒ کے نظریہ "تسلسل بالآثار" کے مطابق مادہ مستقل وجود نہیں رکھتا۔ وہ ہر دم تبدل و تحول سے دو چار ہو رہا ہے۔ اگر مادہ قدیم ہوتا۔ تو فنا نہ ہوتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی تخلیقی قوتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اپنی فعلی صفات کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ بقول اقبال مرحوم

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فیکُون

جیسا کہ قبل بیان ہو چکا ہے کہ قرآن اور حدیث میں لفظ وجود کا اطلاق اللہ تعالےٰ کی ذات پر نہیں کیا گیا۔ وجود سے مراد نور ہے۔ اور عدم کے معنی ظلمت ہے نور اللہ تعالیٰ کی صفت اوّل قرار پائی ہے۔ چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ فلاں شئے کو اللہ تعالےٰ نے خلق کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ظلمت کے دھندلکوں سے نکال کر نور کے اجالے میں لے آیا، گویا وہ مادّہ کے ساتھ مل کر ظہور میں آیا اور اشیاء کی تخلیق کا سبب بنا۔

ہم عالم کائنات میں حوادث (افعال) کا مشاہدہ کرتے ہیں اور نہ صرف افعال کا، بلکہ افعال میں ایک سلسلۂ نظام کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں، جو خاص خاص اسباب اور نتائج پر مشتمل ہے اور یہ ایک ایسا واضح امر ہے کہ جس کو ہر ایک طبقہ کی عقل کا آدمی تسلیم کرتا ہے، یہ سلسلۂ نظام جس میں ہم افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں، صفات کا نتیجہ ہے، یعنی جب تک ہم علم، ارادہ، قدرت اور حکمت کا وجود بطور علّت کے تسلیم نہ کر لیں، ہمیں افعال کا وجود میں آنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ امر ہمارے لئے طبعی ہے کہ ہم کسی واقعہ کو بلا علّت تسلیم نہیں کر سکتے۔ منکر خواہ ان افعال کی علّت کچھ سمجھے، مگر یہ ضروری ہے کہ افعال بدون صفات ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ اب ہم منکر سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون سی ہستی ہے جو ان صفات کی متحمل ہے؟ کیونکہ صفات بدون کسی موصوف کے وجود نہیں رکھتے۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ علم کسی محل سے جس کو عالِم کہتے ہیں، قائم رہ سکتا ہے۔ اسی طرح ارادہ کسی مرید سے اور قدرت کسی قادر سے اور حکمت کسی حکیم سے۔ (از "مانی الاسلام" مصنفہ مولانا روحی مرحوم)

© rasailojaraid.com